Al-Qalam القلم
p-ISSN: 2071-8683, e-ISSN: 2707-0077
Volume:26, Issue:2, 2021, pp. 181-194

مغربی فکر کی اخلاقی اساسیات اور اسلام: تقابلی مطالعہ

Moral foundations of Western thought and Islam: A comparative study

Atika Aslam *(corresponding author)*
PHD Scholar,
Institute of Islamic Studies, Punjab University,
Lahore, Pakistan
Email: atikaaslam7@gmail.com

Dr. Tahira Basharat
Former Dean, Institute of Islamic Studies, Punjab University,
Lahore, Pakistan

KEYWORDS

ETHICS, MANNERS, IMPORTANCE, EXISTENCE, PHILOSOPHY THOUGHTS FOUNDATIONS.

Date of Publication:
20-11-2021

ABSTRACT

Ethics is the second one name of good manners. Importance of ethics cannot be neglected in the society. The existence of goodness in the society and evil must be ended in the society is the basic demand of ethics. Ethics related to religion, society and philosophy. Thoughts and ideas of philosophy can give to human a moral perspective but esoteric training is not possible with them. When morality is certified by religion, man develops the ability to act. The foundations of morality were shaken when attempted to limit the intrusion of religion into the western way of life, because the ethical concepts given by the religion cannot be provided by the system basis on the rationalism.

تمہید:

اخلاق حسن معاشرت کا دوسرا نام ہے۔ معاشرے میں اخلاق کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اخلاق کا تقاضا ہے کہ معاشرے میں اچھائی اور خیر کا وجود ہو اور برائی کا خاتمہ ہو۔ اخلاق کا تعلق مذہب، سماج اور فلسفہ سے ہوتا ہے۔ فلسفہ کے افکار و نظریات انسان کو اخلاقی نقطہ نظر تو دے سکتے ہیں مگر باطنی تربیت ان سے ممکن نہیں۔ اخلاقیات کو جب مذہب کی سند مل جاتی ہے تو انسان میں عمل کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ مغربی نظام حیات میں جب مذہب کا عمل دخل محدود کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتیجہ میں اخلاقیات کی بنیادیں بھی ہل گئیں، کیونکہ اخلاقیات کا جو تصور دین فراہم کرتا ہے وہ محض عقل کی بنیاد پر قائم نظام نہیں دے سکتا۔ انسانیت کا اجتماعی نظام جن بنیادوں پر استوار ہے، ان میں اخلاق کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ علم الاخلاق اہل مذہب اور اہل عقل و فراست دونوں کے نزدیک مطلوب و محمود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم وجدید ہر دور میں اس سے متعلقہ مباحث کو علم کی دنیا میں اہم شمار کیا گیا ہے۔ دنیائے فلسفہ میں سقراط کو علم الاخلاق کا بانی سمجھا جاتا ہے، کیونکہ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اس بات پر زور دیا کہ انسانی معاملات کو علمی اساس کے قالب میں ڈھالا جائے۔ اخلاق انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ اخلاق انسانی معاشرے کے ہر دور کا موضوع ہے۔ انسانوں کا دین ومذہب کچھ بھی رہا ہو، خیر وشر، نیکی وبدی اور اس کے نتائج وعواقب کبھی بھی نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ ایسے معاشرے میں جہاں دہریت کا نظریہ کارفرما ہتا ہے وہاں بھی معاشرتی برائیوں کے سلسلے میں ضابطے اور اصول بنائے جاتے ہیں۔ جرم وسزا کا تصور موجود ہوتا ہے اور ہر صورت کچھ چیزوں کو برا اور کچھ کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ دینی اور نظریاتی معاشروں میں اخلاقی تصورات اور نظریات کی جڑیں زیادہ مضبوط اور گہری ہوتی ہیں۔ اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس، جزاوسزا کا تصور انسانی ذہنوں اور دلوں میں ایک خاص فضا بنائے رکھتے ہیں۔ ایسے معاشروں میں انسان اپنی بے عملیوں اور کوتاہیوں کے باوجود مجرمانہ اور برے اخلاق وکردار سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم الاخلاق ہر مذہب کے مفکرین کی دل چسپی کا موضوع رہا ہے۔ ان مفکرین نے علم الاخلاق پر بڑی گہرائی سے روشنی ڈالی ہے اور اس کی اہمیت و وسعت کو خوب واضح کیا ہے۔ علم الاخلاق کی تعریف امام غزالی بیان کرتے ہیں: خلق نفس اس ھیت راسخہ کا نام ہے جس سے تمام افعال بلا تکلف صادر ہوں۔ اگر افعال عقلاً و شرعاً عمدہ اور قابل تعریف ہوں تو اس ھیت کو خلق نیک اور اگر برے اور قابل مذمت ہوں تو خلق بد کہتے ہیں۔"[1] حفظ الرحمن سیوہاروی اس کی وضاحت

ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''جو علم بھلائی اور برائی کی حقیقت کو ظاہر، اور انسانوں کو آپس میں کس طرح معاملہ کرنا چاہیے اس کو بیان کرے، اور لوگوں کو اپنے اعمال میں کس منتہائے غرض اور مقصد عظمیٰ کو پیش نظر رکھنا چاہیے، کو واضح کرے اور مفید، کارآمد باتوں کے لیے دلیل راہ بنے۔ علم الاخلاق کہلاتا ہے۔''[2]

According to Encyclopedia of Philosophy: The Term "ethics" is used in three different but related ways, signifying, A general pattern or "way of life". A set of rules of conduct or "moral code". Inquiry about ways of life and rules of conduct.[3]

ایتھکس یعنی فلسفہ اخلاق سے تین قسم کے مفہوم مراد لیے گئے ہیں۔ جو باہم ایک دوسرے مربوط ہونے کے باوجود علیحدہ شناخت رکھتے ہیں۔ وہ تین مفہوم یہ ہیں: 1۔ زندگی کا ایک عمومی ضابطہ یا طرز حیات 2۔ کردار و افعال کے احکام یا ضابطہ اخلاق 3۔ طرز حیات اور کردار کے ضوابط کے بارے میں تحقیق و جستجو۔

In Encyclopedia of Social Sciences Ethics discussed as: In a word, ethics is the organization or criticism of conduct in terms of notions like good, right or welfare.[4]

مختصراً کردار کی تنظیم یا تبصرہ نگاری ان تصورات کے تناظر میں جیسا کہ اچھا، صحیح یا خوش حال کو اخلاقیات کہا جاتا ہے۔

According to New Catholic Encyclopedia: The Philosophical study of voluntary human action, with the purpose of determining what types of activity are good, right and to be done (or bad, wrong and not to be done) that man may live well.[5]

ارادی انسانی افعال کا فلسفیانہ مطالعہ جو اس مقصد کو واضح کرتا ہے کہ کون سے افعال اچھے، صحیح اور کرنے کے قابل ہیں، (یا برے، غلط اور نہ کرنے کے ہیں) جس کی وجہ سے انسان اچھی زندگی گزار سکتا ہے۔ دنیا میں اخلاق کا تصور کوئی نیا تصور نہیں ہے۔ ہر سماج کچھ اخلاقی اصولوں پر استوار ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں اخلاقیات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اچھائیوں کو فروغ دیا جائے۔ اللہ کے تمام انبیاء کرام نے بھی یہی تعلیم دی ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اصل مقصد بھی اعلیٰ اخلاقیات کی تعمیر ہے۔ اخلاقیات کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے خواہ وہ معاشرت، سیاست، معاملات و معیشت سے متعلقہ ہو۔ انسان میں فطرتاً اخلاقی حس موجود ہے جو بعض صفات پر اچھائی کا اور بعض پر برائی کا حکم لگاتی ہے۔ اخلاقیات کسی بھی معاشرے کی ترقی و تنزلی میں اہم کردار ادا کرتی ہے کیونکہ جو قوم اخلاق کے اونچے درجے پر فائز ہوتی ہے وہ دنیا میں بھی اپنا اونچا مقام رکھتی ہے۔ لہذا اقوام کی ترقی، خوشحالی اور تنزلی کا دارومدار اس کی اخلاقی اقدار پر منحصر ہوتا ہے۔ اخلاقیات کوئی ایسا علم نہیں ہے جسے کسی

خاص فرد، قوم یا گروہ نے پیش کیا ہو، اگرچہ مختلف مفکرین اور فلاسفہ نے اس پر علمی ابحاث کی ہیں۔ اچھائی اور برائی کا شعور انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے لہذا علم اخلاقیات کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان۔ تاریخ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ قدیم زمانے میں یورپ مختلف وحشی قبائل کا مسکن تھا۔ جب روما کی سلطنت کمزور ہو گئی توان قبائل میں سیاسی شعور پیدا ہوا تو یہ اپنے اوطان سے نکل کر دور دراز علاقوں پر چھا گئے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے مطابق: ''آٹھویں صدی قبل مسیح سے پہلے یورپ میں کیا ہو رہا تھا ہمیں معلوم نہیں۔ قیاس یہ ہے کہ وہاں وحشی قبائل آباد تھے جن کے سردار جداجدا تھے۔ مذھباً ملحد یابت پرست تھے اور توشت وخوان سے قطعاً ناآشنا تھے ۔آٹھویں صدی کے بعد تاریخ یورپ تین ادوار میں تقسیم ہو گئی۔ ۱۔ دور قدیم جو آٹھویں صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی تک پھیلا ہوا ہے یہی وہ زمانہ ہے جب روما کی عظیم سلطنت قائم ہوئی تھی اور یونان سے علوم وفنون کے دریا بہہ نکلے تھے۔ ۲۔ قرون وسطی یعنی وہ زمانہ جو زوال روما (۴۷۶) سے شروع ہو کر یورپ کی حیات ثانیہ (سولھویں صدی) پر ختم ہوتا ہے۔ ۳۔ عصر حاضر جو سولہویں صدی سے شروع ہوا۔''[6]

ولیم للی لکھتا ہے:

> ''یونانی دور میں یونانی شہری ریاست نے اخلاقی زندگی کا پس منظر تیار کیا تھا۔ ہر شخص بحیثیت شہری اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ دور متوسط میں اخلاق کلیسا کے زیر اثر تھا اور عموماً اچھی زندگی کو مذہبی یا مقدس زندگی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ دور جدید میں کلیسا یا ریاست اخلاقی زندگی کے لیے اس قدر اہم نہیں رہے۔ اخلاق کا زیادہ تر سروکار آزاد فرد کا اپنی زندگی اور ان حقوق وفرائض سے ہے جو اس کے دیگر آزاد افراد کے تعلق سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان تین ادوار کو علی الترتیب ریاست کا دور، کلیسا کا دور اور آزاد افراد کا دور قرار دے سکتے ہیں۔''[7]

یورپ کی تاریخ اخلاق کے تین ادوار مختصر تفصیل کچھ اسطرح ہے۔

1۔ دور قدیم۔ یونانی اخلاقیات:

ولیم للی کے مطابق، یورپی اخلاقیات کا حقیقی آغاز قدیم یونان میں پانچویں صدی قبل مسیح میں ہوا۔ سوفسطائیت معلمین میں ایک ایسا گروہ تھا جنہیں خاص طور پر نوجوانوں کو سیاسی زندگی کی تربیت دینے سے سروکار تھا۔ جس کے دروازے یونان کی شہری ریاست کے ہر آزاد فرد کے لیے کھلے ہوتے تھے۔ سوفسطائیت کے سب سے عظیم مفکر کا

قول ہے کہ "انسان ہر شے کا پیمانہ ہے"، وہ اپنے لیے صائب اور غیر صائب کا فیصلہ خود کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی معیار نہیں۔ سقراط جسے عام طور پر مغربی فلسفے کا بانی قرار دیا جاتا ہے اس کے مطابق ماہیت خیر کی مکمل تفہیم اچھی زندگی گزارنے کی لازمی شرط ہے۔ اس نے اس خیال کا اظہار اپنے اس مقولے میں کیا ہے کہ "فضیلت علم ہے"۔ سقراط کے دو عظیم پیروکار افلاطون اور ارسطو اسی اخلاقی علم کا مطالعہ کرتے رہے جسے سقراط فضیلت کے لیے لازمی قرار دیتا ہے۔ ارسطو اور افلاطون کے ہم عصر گروہوں میں وہ اساسی اختلاف پایا جاتا ہے جو بعد کے مکاتب فکر میں موجود ہے۔ سیرینی واضح طور پر اس خیال کا حامی نظر آتا ہے کہ اچھا عمل وہی ہے جو لذت بخش ہو۔ اس نظریے کو لذتیت کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے بر خلاف کلبیوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نفسانی خواہشات اور ان کی تشفی سے بے نیاز رہنے پر اچھی زندگی کا انحصار ہے۔ ابیقیورین نے سیرینیوں کی تقلید کی۔ رواقین کی تعلیم کے مطابق خیر فطری ہے، ان کے نزدیک اچھا عمل وہ عمل ہے جو کسی اصول عقل پر انجام دیا جائے۔[8] بلاشبہ انسانی عقل ایک عظیم طاقت ہے۔ جو اس کائنات میں انسان کے وجود اس کی فاعلیت اور مؤثریت (Effectivity) ثابت کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ لیکن صرف انسانی عقل پر ایمان لانا ایسا بگاڑ ہے جو بلآخر انسان کی قیمت گھٹا کر اسے "حیوان عاقل" بنا دیتی ہے۔ یونانی تہذیب کو ایک ٹھوکر یہاں لگی کہ اس نے روح کو قطعی طور پر نظر انداز کرتے ہوئے عقل کو حد درجہ اہمیت دے دیا ان کے ہاں زندگی کے ہر مسئلہ میں عقل کا فیصلہ آخری سمجھا گیا۔ سید قطب شہید کے مطابق: "مغربی جاہلیت جدیدہ کہتی ہے کہ یونانیوں نے اس بات کی کوشش کی کہ انسان کی بلندی اور ایجابیت کو ثابت کیا جائے تاکہ اس طرح زندگی میں انسان کی قیمت گراں ہو سکے۔"[9]

2۔قرون وسطی کی اخلاقیات:

ریپوپرٹ کے مطابق: "روح انسانی کو فلسفی زیادہ مدت تک مطمئن نہیں رکھ سکتا تھا اس لیے مذہب نے اس کی جگہ لے لی۔ قدیم یونان کے فلسفی و شاعر کی جگہ عیسائیت کا ولی نمودار ہوا۔ عیسائیت نے بنی نوع انسان میں وہ عظیم الشان تغیر پیدا کیا کہ اب تک نہ ہوا تھا اور اس نے فلسفہ کی بلکل کا یاپلٹ دی۔ یونانی عقائد اس کی تاب مقاومت نہ لا سکے۔ اخلاقیات کے دائرہ میں وہ تمام قدیم عقائد ترک کر دیے گئے جو کفر سے بھرے تھے۔۔۔۔۔۔انسان کو کردار کے متعلق چند قواعد و قوانین کی پیروی کرنی پڑتی ہے مگر مقنن خدا ہے۔ اوامر الہی اور اخلاقی قوانین غیر منفک تصورات ہیں مگر کسی چیز کے اخلاقی ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ اس کی پیروی کا خدا نے حکم دیا ہے بلکہ اس کی بجاآوری کا حکم

صرف اس لیے دیاہے کہ یہ اخلاقی ہے کیونکہ صرف اخلاق ہی دنیاکامرکز ومنشاہے۔"[10]

3۔کلیساکی حکمرانی:

یورپ میں مسیحیت کی اشاعت سے فرد کوایک نئی اہمیت حاصل ہوگئی۔صواب وناصواب کا حتمی معیار الہامی قانون الہی کی شکل میں انجیل میں پیش کیاجا چکا تھالہذا کلیسا کی تعبیر کے مطابق ان پر شک کرنایاان کے بارے میں سوال اٹھانااگرہلاکت خیز کفر نہیں توناروابے حرمتی تھی جس کے لیے کلیسامناسب سزادینے پر قادر تھا۔ایسی صورت میں اخلاقیات کے لیے اس کے سواکوئی چارہ نہ تھاکہ وہ انجیل مقدس اور کلیسا کے اصول وامثال کا انفرادی معاملات پر اطلاق کرے۔

اخلاقی انحطاط کی انتہا:

قرون وسطی میں یورپ میں بد اخلاقی اور بے راہ روی اپنے عروج پر تھی۔لوگ تہذیب وتمدن اور اخلاقی اصول و ضوابط سے مطلق ناآشنا تھے۔بے حیائی، ظلم وشقاوت اور سفاکی کی انتہا تھی غرض یہ کہ اس دور مین یورپ میں انسانی شرافت وعظمت ناپید تھی۔توہم پرستی، مکاری اور دغابازی جیسے غیر اخلاقی اعمال کی گرم بازاری تھی۔لیکی کے الفاظ میں مسیحی دنیاکے اخلاقی انحطاط کی تصویر کچھ اس طرح ہے: "اخلاق میں رکاکت وپستی حد درجہ سرایت کر گئی تھی۔درباکی عیش پرستیاں ، ارکان دربار کی غلام ذہنی اور ملبوسات وزیورات کی تزین وآرائش اپنے شباب پر تھی۔دنیااس وقت انتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھارہی تھی بلکہ بعض شہر جن میں سب سے زیادہ کثیر التعداد زہاد اور راہبین پیداہوتے تھے وہ وہی تھے جن میں عیش پرستی اور بد چلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی، غرض بدکاری اور توہم پرستی کاایسااجتماع ہوگیاتھاجوانسان کی عظمت وشرافت کا قطعی دشمن ہے۔رائے جمہوراس قدر ضعیف ہوگئی تھی کہ لوگوں کو بدنامی ورسوائی کامطلق خوف باقی نہیں رہاتھا۔البتہ ضمیر کو مذہب کا دھڑکاہوسکتاتھالیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹادیاتھاکہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔مکاری،دغابازی دروغ گوئی کی وہ گرم بازاری تھی جو قیاصرہ[11] کے زمانہ میں نہ تھی۔"[12]

ڈریپر اس صورت حال کی ان الفاظ میں تصویر کشی کرتاہے: "قرون وسطی میں یورپ کا بیشتر حصہ لق ودق بیاباں یا بے راہ جنگل تھا۔کہیں کہیں راہبوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں ،جابجادلدلیں اور غلیظ جوہڑ تھے ۔لندن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے جن کی چھتیں گھاس کی تھیں۔آسودہ حال امراءفرش

پر گھاس بچھاتے اور بھینس کے سینگ میں شراب ڈال کر پیتے تھے۔ صفائی کا کوئی انتظام نہیں تھا، گلیوں میں فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ عوام ایک ہی لباس سالہا سال تک پہنتے تھے جسے دھوتے نہیں تھے نتیجہ وہ چرکین، میلا اور بدبودار ہو جاتا تھا۔ فقر و فاقہ کا یہ عالم تھا کہ لوگ سبزیاں، پتے اور درختوں کی چھالیں ابال کر کھا لیتے تھے۔ متوسط طبقہ کے یہاں ہفتے میں ایک مرتبہ گوشت عیاشی سمجھا جاتا تھا۔ مذہبی طور پر عیسائیت کا غلبہ تھا چنانچہ ان کے پادری فریب اور جعلسازی سے کام لیتے تھے۔ پوپ جنت کی راہداری اور گناہ کرنے کی پرمٹ (اجازت نامہ) فروخت کرتے تھے۔ علماء عشائے ربانی، کرامات اولیاء، رہبانیت اور تصرفات روح کی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے۔"[13]

رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے:

> "رومیوں نے دریائے رہائن کے کنارے جتنے شہر آباد کئے تھے وہ رفتہ رفتہ سب اجڑ گئے۔ نویں صدی میں ان میں سے ایک بھی باقی نہیں تھا۔ ان کے کھنڈروں میں بھیڑیوں، ریچھوں، اور خنزیروں کے گلے گھومتے نظر آتے تھے۔۔۔۔۔ لوگوں کی بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ ڈٹ کر کھاتے، تیز شراب پی کر ہنکارتے، غل مچاتے، فساد کرتے اور ہر روز حرام کاری کے نئے ریکارڈ قائم کرتے تھے۔ ان وحشیوں کی عدالتوں میں عموماً باپ بیٹے کے قتل، زہر خورانی، جعل سازی، اغوا، فحش کاری اور رہزنی کے مقدمات آتے تھے"۔[14]

گبن لکھتا ہے، اتنے طویل تاریخی زمانے میں بدی کی یہ کثرت اور نیکی کی یہ قلت کہیں اور نظر نہیں آتی۔[15] اس دور میں یورپ میں بے حیائی کے ساتھ ساتھ ظلم و سفاکی کی بھی انتہا تھی۔ اس صورت حال کی منظر کشی کرتے ہوئے ایڈورڈ ہارٹ پول لیکی لکھتا ہے: "ہر جگہ ظلم و شقاوت، سفاکی و توحش، بد چلنی و شہوت پرستی کے مناظر سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ مخالفوں کے ہاتھ پیر یا ناک کاٹ ڈالنا ایک معمولی بات تھی۔ ہر بادشاہ کے لیے اپنے اعزہ کو قتل کرنا تو گویا لازمی تھا۔ ایک بادشاہ نے اپنے باغی بیٹے، اپنی بہو اور اپنی پوتیوں کو اپنے سامنے زندہ جلوایا۔ ایک شہزادہ صاحب کا یہ مشغلہ تفریح تھا کہ اپنے غلاموں کو آگ سے جلواتے رہتے تھے اور دو غلاموں کو اس جرم میں زندہ دفن کر دیا کہ انھوں نے بغیر اجازت اپنی شادیاں کر لی تھیں۔ ملکہ برونہاٹ جب اپنے طویل عہد حکومت کے بعد اپنے حریف کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئی تو اسے یہ سزا ملی کہ متواتر تین دن تک انواع واقسام کے آلام میں مبتلا کر کے اونٹ کے اوپر بٹھا

کر اسے تیز دوڑایا گیا جس سے ضعیف العمر ملکہ کی لاش کے پرخچے اڑ گئے"۔[16] ڈاکٹر ڈریپر کے مطابق: "صفائی کا مطلق انتظام نہ تھا، سڑے ہوئے فضلہ اور کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا رہتا تھا۔ مرد عورت اور بچے ایک ہی کوٹھڑی میں سوتے تھے۔ اور اکثر گھر کے جانور بھی اسی حجرے میں ٹھونس دیئے جاتے تھے۔ اس طوفان بدتمیزی میں ممکن نہ تھا کہ حیااور اخلاق قائم رہ سکے۔ جسمانی صفائی سے لوگ مطلق ناآشنا تھے۔"[17]

مقام عورت:

یورپ میں عورت سے غیر انسانی سلوک ابتدا سے ہو رہا ہے۔ لیبان لکھتے ہیں: "قدیم یونان میں عورت وارث نہیں بن سکتی تھی۔ اگر اس کے بطن سے لولا یا کانا بچہ پیدا ہوتا تو شوہر اسے قتل کر سکتا تھا۔ سپارٹا میں ایسی عورت کہ جس میں طاقت ور سپاہی جنم دینے کی صلاحیت نہ ہوتی تھی، مار ڈالتے تھے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ عورت موت سے زیادہ تلخ ہے اور سارے جہان میں ایک بھی ایسی عورت موجود نہیں ہے جسے خدا پسند کرتا ہو۔ اطالویوں میں کہاوت ہے کہ گھوڑے کو مہمیز کی اور عورت کو مار کی ضرورت ہے۔ روم میں عورت پر مرد کی جابرانہ حکومت تھی اور وہ اسے قتل بھی کر سکتا تھا۔"[18]

۳۔ جدید اخلاقیات:

پندرھویں اور سولھویں صدی میں کلیسا کا وہ اقتدار جو اسے یورپ کے بڑے حصے پر تقریباً ایک ہزار سال تک حاصل رہا ختم ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ فردیت کا پھوٹ پڑنا تھا جو انسانی آزادی اور انسانی کامرانی پر زور دیتی تھی۔ اس تغیر کا بڑا سبب یونانی علوم و فنون کا احیا بھی تھا جس میں یہ بات نمایاں تھی کہ انسان مسیحی الہام سے قطع نظر کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ ولیم للی لکھتے ہیں: ا۔ بعض مفکرین اس خیال کے حامی تھے کہ صائب اور غیر صائب کا فرق محض رسمی اور رواجی ہے۔ قدیم یونان میں سوفسطائیہ کا یہ نقطۂ نظر رہا ہے۔ ب۔ بعض مفکرین اس خیال کی تائید کرتے تھے کہ صائب اور غیر صائب کی تمیز راست بصیرت یا وجدان سے ہوتی ہے۔ ج۔ اٹھارویں صدی میں ہمیں قانون پر مبنی دو مکاتیب اخلاق ملتے ہیں۔ ایک مکتب فکر کے نزدیک اخلاقی قانون انسانی فطرت کا قانون ہے جو انسان کی نفسیاتی ساخت کے مطالعے سے منکشف ہوتا ہے۔ دوسرے مکتب فکر نے اس تصور پر زور دیا کہ قانونِ اخلاق، قانونِ عقل ہے۔ یہ نظریہ انگریز فلاسفہ میں کیمبرج کے فلاطونیوں، کلارک اور وولسٹان اور جرمن فلسفہ میں کانٹ کے ہاں ملتا ہے۔ کانٹ کی راہ سے اس نظریے کو ہیگل کی جدید تصوریت میں فروغ ہوا۔ یہ اس نقطہ نظر کے حامی ہیں

کہ قانونِ اخلاق، قانون منطق ہے۔اس لیے نتیجتاً قانون فطرت ہے۔ د۔ بعض منکرین نے یہ رائے قائم کی کہ صواب و ناصواب کا انحصار نتائج پر ہے۔اور خصوصاً ان کی اس صلاحیت پر ہے کہ وہ کس حد تک خواہشات کی تشفی کر سکتے ہیں اور کس حد تک ہمیں اور دوسروں کو لذت بخش سکتے ہیں۔ دور جدید میں اسے جان اسٹوارٹ مل اور برطانوی افادیئین کے عظیم مکتبہ فکر بشوملیت سجوک نے اختیار کیا ہے۔[19]

اس نظریے کے مطابق کوئی چیز بذاتِ خود نہ تو اچھی ہے نہ بری، اچھائی اور برائی کا معیار فائدہ ہے جو چیز انسان کیلئے فائدہ مند ہے وہ اچھی ہے اور جو چیز فائدہ مند نہیں وہ بری ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اخلاقی نظام نہیں بلکہ اخلاقیات کا رد ہے۔ یہ تصور مغرب کے مادی ذہن سے زیادہ قریب تھا لہٰذا مغرب نے اس کو آسانی سے قبول کر لیا۔ لہٰذا اب وہ مادی فوائد کے خواہاں ہیں اور بے لوثی اور اخروی اجر و ثواب سے قطعاً نابلد۔ خود غرض انسان کی فطرت کا خاصہ ہے لیکن یہ ہر گز کسی فلسفہ یا اخلاقی ضابطہ کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ برٹرینڈرسل اس کے متعلق لکھتا ہے: ''ہم دیکھتے ہیں کہ فلسفۂ افادیت کا مبلغ ہر وہ شخص بن سکتا ہے جو جسمانی آسائشوں کو ہی اصل اہمیت دیتا ہے۔ مفید کی نگاہ میں وہ شے ہے جس سے جسم کی خواہشات اور ضروریات پوری کی جا سکیں۔ اگر یہی اس کا مفہوم ہے اور وہ کوئی فلسفہ تشکیل کر رہا ہے تو افادیت کا مبلغ یقیناً سخت غلطی پر ہے۔''[20]

آزاد اخلاقیات:

محمد حسن عسکری اس ضمن میں رقم طراز ہے: ''انیسویں صدی کے بعض مفکرین نے یہ حرکت کی کہ زیادہ تر اخلاقی اصول تو وہی رکھے ہیں جو پہلے سے چلے آرہے تھے مگر اخلاقیات کو مذہب سے الگ کر دیا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ جو نیک کام خدا یا جہنم کے ڈر سے کئے جائیں وہ نیکی میں شمار ہونے لائق نہیں۔ اصل نیکی وہ ہے جو دل سے نکلے چنانچہ انہوں نے اخلاقی اقدار کو خدا کے احکام کہنا چھوڑ دیا اور اخلاقیات کی بنیاد ایک نئے اصول پر رکھی۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ انسان کی فطرت معصوم اور پاکیزہ ہے اور وہ خود بہترین اخلاقی اصول پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اخلاقی اصول انسان کی معصوم اور پاکیزہ فطرت یا دل سے برآمد ہونے چاہئیں۔اس نظریے کا نام آزاد اخلاقیات ہے۔'' نیز لکھتے ہیں ''انیسویں صدی میں ایک طرف تو عقل پرستی بڑھتی جارہی تھی دوسری طرف جذبات پرستی کی بھی شدت تھی۔ بعض لوگ حق و باطل، خیر و شر کے درمیان اس طرح امتیاز کرتے تھے کہ جذبات کیلئے کون سی چیز تسلی بخش ہے یہاں تک کہ بہت سے لوگ مذہب کو بھی جذبات کی تسکین اور تسلی کا ایک ذریعہ تصور کرتے تھے۔اس سے

زیادہ کچھ نہیں۔ غرض عقل پرستی ہو یا جذبات پرستی، ہے وہی نفس پرستی۔"[21]

عصر حاضر میں یورپ کی اخلاقی حالت:

تہذیب جدید انسانیت کے نامناسب اور بڑے مشکل مرحلے میں ہے۔ اس تہذیب کا انسانیت کی طبعیت کی حقیقی معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی پیدائش میں کچھ علمی دریافتیں، لوگوں کی خواہشات و اوہام اور بعض نظریات وافکار کا حصہ ہے۔ باوجود یہ کہ یہ خود مغربی تہذیب کا کیا دھرا ہے مگر یہ انسانیت کے منافی اور انسانی طبعیت کے اقتضاء کے بالکل خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی معاشرہ اخلاقی احساس و ذمہ داری سے بالکل دست بردار ہو چکا ہے۔ ایک مغربی سائنس دان کے مطابق: جدید معاشرہ اخلاقی احساس سے بالکلیہ دست بردار ہو چکا ہے اور اس احساس کے مظاہر تک کو مٹا چکا ہے۔ کیونکہ یہ ذمہ داریوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ اب تو حالت یہ ہے کہ جو لوگ خیر و شر میں امتیاز رکھتے ہیں اور محتاط ہو کر کام کرتے ہیں وہ تنگ دست رہتے ہیں اور لوگ انہیں بڑی تنگ دلی اور افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ آج جو عورت اپنے آپ کو اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے وقف کر دے اور اپنا کچھ زیادہ خیال نہ رکھے اسے کمزور عقل مفقود کیا جاتا ہے۔[22] آج یورپ مادہ پرستی کا شکار اور حرص و ہوس میں پوری طرح ملوث ہو چکا ہے۔ انسان کو اصلاً حیوان قرار دینے کا نتیجہ یہی تھا۔ انسان جبلتوں، طبعی خواہشات اور حیوانی خصائص کا نام رہ گیا ہے۔ اخلاقی قدروں کی ایجابی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ غرض یہ کہ اس نئے دور میں حیوانیت ہر طرح فربہ اور تنومند ہو گئی ہے اور انسانیت تقریباً مفقود الخبر ہو گئی ہے۔ ان کے پیشِ نظر مادہ اور مادی دنیا ہے روح اور روحانی دنیا سے وہ بیگانہ محض بن گئے ہیں۔

ایک مغربی سائنسدان تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "وحشیانہ مادیت نہ صرف یہ کہ عقلی ارتقاء کی راہ میں رکاوٹ ہے بلکہ نرخو، شریف، کمزور اور تنہا شخص کو کچل کر رکھ دیتی ہے اور ایسے لوگوں کو ختم کر دیتی ہے جو ذوقِ جمال رکھتے ہیں اور جنہیں دولت کے علاوہ کچھ اور اشیاء کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"[23]

آج مغربی تہذیب کی سب سے بڑی خامی جو اس کی تمام خامیوں کی جڑ ہے لادینیت ہے۔ اس تصور نے مذہب کو پرائیویٹ معاملہ قرار دے کر انسانیت کو ذلالت کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ اس ضمن میں سعید الرحمان اعظمی لکھتے ہیں: "مادہ پرستی نے نہ صرف مذہب بیزاری کو عام کیا، اور پرائیوٹ زندگی کے نام پر شرافت و مروت کا خاتمہ

کیا، بلکہ مختلف النوع جرائم کی حوصلہ افزائی بھی کی اور انسانی خون کے ساتھ انسان کی سب سے گرانقدر متاع عزت و آبرو کی بھی بے قیمت بنا دیا اور حقیر مفاد پرستی کی راہ ہموار کی۔"[24] محمد قطب لکھتے ہیں: "آج مغربی زندگی جن شعلوں کی لپیٹ میں ہے وہ انسان اور اللہ کا تعلق منقطع ہونے اور مذہب سے علیحدگی کا نتیجہ ہے۔ اس نتیجہ میں جو استحصال، لوگوں کا خون چوسنا، سامراج اور سرکشی کی صورت میں پیدا ہو رہا ہے یہ مغربی تہذیب کا معاشی خلل نہیں بلکہ یہ نتیجہ ہے پوری طرح زندگی میں منہمک ہونے کا اور اللہ کی ہدایت سے دور ہونے کا۔"[25]

لہٰذا سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ انسان کو حیوان قرار دیتے ہوں، جو خدا، آخرت، وحی اور رسالت کو وہم کی خلاقی قرار دیتے ہوں اور اگر ان دینی حقائق کے کسی درجے میں قائل ہوں تو بھی ان کے منطقی تقاضوں کو انسانی زندگی کے مسائل کا حل تلاش کرتے وقت کسی لحاظ کے قابل بالکل نہ سمجھتے ہوں وہ بھلا حسنِ خلق کو کیوں خاطر میں لانے لگے اور اخلاقی بندشوں کو کیوں یہ حق دینے لگے کہ وہ ان کی خواہشاتِ نفس کو اپنے کنڑول میں رکھیں۔ ول ڈیورینٹ یورپ کی اخلاقی بے راہ روی پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہم دو عہدوں کے درمیان معلق ہیں ایک ختم ہو چکا ہے اور دوسرے نے ابھی پوری طرح جنم نہیں لیا اور ہماری تقدیر ایک نسل کیلئے انتشار ہے۔ ہم سقراط اور کنفیوشس کی طرح اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ ضبط اور خوف کے اخلاق کا جادو ٹوٹ چکا ہے اور ہم ایک فطری اخلاقی نظام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی بنیاد خود نہیں ذہانت ہو اور ہم اس کے ذریعے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی قائل کر سکیں۔ ہم میں سے جن لوگوں کے بچے ہیں انہیں اخلاق اور نفسیات کے ہزاروں مسائل درپیش ہیں جنہیں سلجھانے کیلئے کوئی پرانا نسخہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ ہم مجبور ہیں کہ فکر کریں، اپنی عادات اور اپنے مفروضوں پر نکتہ چینی کریں اور اپنے لئے زندگی اور فکر کا ایک اہم آہنگ نظام تعمیر کریں جو ہمارے عہد کے تقاضوں کے مطابق ہو ہم تقدیر کے موڑ پر اس طرح برہنہ کھڑے ہیں کہ ہمارے جسم مافوق الفطرت عقائد اور موروثی اخلاقی نظام سے عاری ہیں، ہر چیز کی از سر نو تعمیر ہونی چاہیے چاہے ہمیں پھر وحشت کے عہد میں ہی کیوں نہ لوٹا دیا جائے اور ہم تہذیب کی تعمیر پر پھر مجبور ہو جائیں۔"[26]

خلاصہ بحث:

دنیا پر اس وقت مغربی تہذیب کا غلبہ ہے اور مغرب اپنی تہذیب کی عالمگیریت کے لیے ہر ممکن طور پر کوشاں ہے۔ مغرب کے تہذیبی ارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو اس کی تہذیب و فکر کی کڑیاں یونان و روما کی تہذیبوں سے جا ملتی

ہیں۔ مغرب سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں تو ترقی کر رہا ہے لیکن فکر و عقائد کے لحاظ سے اس کا سفر معکوس سمت میں جاری ہے۔ تہذیب جدید کو محمد قطب جاہلیت جدیدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب نے یونانی تہذیب سے ورثہ میں بت پرستی ،مادیت پرستی، لذت پرستی اور عقلیت پرستی وغیرہ پائے اور رومی تہذیب سے دنیاوی اور ظاہری امور پر توجہ ،فنون لطیفہ، موسیقی، مذہب سے بے رغبتی اور شہوانیت وغیرہ کے نظریات وراثت میں پائے۔ مسیحیت کی تعلیمات بھی بہت جلد آلودہ ہو گئیں اور بت پرست رومیوں نے دین مسیح کی شکل بگاڑ کے رکھ دی۔اسی دور میں مذہب و سائنس کی معرکہ آرائی میں آخری فتح سائنس و عقل کی ہوئی۔ عقلیت پرستی اور بعد کے ادوار کی تمام تحاریک مغرب کے اخلاقی نظام میں خاطر خواہ بہتری نہ لا سکیں۔ دنیا میں جب مذہب کو معاشرتی طور پر محدود کرنے کا رجحان شروع ہوا جو کہ بطور خاص ہمیں مغربی معاشرے میں نظر آتا ہے اور مذہبی تعلیمات کو پس پشت ڈالنا اور ان کو انسان کی نجی زندگی تک محدود کرنا رواج بن گیا تو اس طرز عمل کا ایک بڑا نقصان یہ سامنے آیا کہ معاشرے کو ایسے مآخذ حکمت سے محروم ہونا پڑا جو معاشرے کی فکری بنیاد کو تشکیل دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں معاشرے کو چند ایسے مضبوط نظریے اور اصول فراہم ہوتے جو اس کے لیے مشعل راہ بنے رہتے ہیں۔ کیونکہ انسانی فکر کے سامنے اخلاق کے فکری تقاضے تو ابھر سکتے ہیں لیکن مذہب کے تعاون کے بغیر مکمل اور قابل اعتماد ضابطہ اخلاق دینے سے وہ یکسر قاصر ہے۔مذہب کے علاوہ دوسرے ذرائع چاہے وہ وجدان و نفسیات ہو یا تجربات و احساسات اصل ماخذ کے صرف مددگار ہو سکتے ہیں۔ محض جزوی صداقتوں کے علم سے ایک اعلی اور محکم نظام اخلاق کی تشکیل ممکن نہیں ہو سکتی۔

حوالہ جات وحواشی

[1]-غزالی محمد بن محمد ابو حامد, **احیاء العلوم الدین**(مصر: شرکۃ مکتبۃ،،1308ھ),3:50۔

Ghazālī,Muḥammad Bin Muḥammad Abu ḥāmad, **ihyā – ʾʿūlūm** (misar:shirkah muktba,1308AD),3:50.

[2]-سیوہاروی حفظ الرحمن، **مولانا،اخلاق اور فلسفہ اخلاق**(لاہور: خالد مقبول پبلشرز،مارچ،1976ء)،2۔

Syhorwi,Hifzurhman,**Akhlaq ur Falsfa Akhlaq**,(Lahore:Khalid Maqbool Publisher,1976),

[3] **-Encyclopedia of Philosophy**,The McMaillan Company, New york ,1900,3:81,82-

[4] **-Encyclopedia of Social Sciences**, McMaillan Company, New york),1900, 6:602-

[5] **-New Catholic Encyclopedia**, (Gale, USA,2003), 5:388.

[6]۔برق،غلام جیلانی،ڈاکٹر،**یورپ پر اسلام کے احسان**،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز)،36۔

Baraq,GhulaJ,jalani,**Yurap,Pa,Islam,Kay,Ihsan** Lahore:Shakh ,Gulam ,Ali,and ,Sons)36

[7]۔ولیم للی،**تاریخ اخلاقیات**،؛سید محمد احمد سعید،(کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف کراچی یونیورسٹی،1982ء)،115۔

William,Lilly,**Tareekh -e-Akhlaqiat**, Syed,Ahmad(Karachi:Shoba,tasneefo taleef ,krachi university,1982),115

[8]ولیم للی،**تاریخ اخلاقیات**،116۔117

William,Lilly,**Tareekh e Akhlaqiat,**116.117

[9]۔سید قطب شہید،**جدید جاہلیت**،؛ساجد الرحمن صدیقی(لاہور: البدر پبلیکیشنز،،1980)،32۔

Syyad,Qutab,Shaheed,**Jaded Jahiliat**,Sajid Ur,Rhman(Lahore;Albadar Publicashans ,1980),32

[10]۔ریپوپارٹ،**فلسفہ کی پہلی کتاب**،؛میر ولی الدین(دارالمصنیفین اعظم گڑھ،1921ء)،44،43۔

Repu,Part,**Falsfa.Ki Pahli Kitab**;Meer Walliudin(Azam Ghurh:Da Rul Musunnifeen,1921),43-44

[11]۔ **قسطنطین اول** نے بعض مصالح کی بنا پر ۳۳۰ میں قسطنطنیہ کو پایہ تخت بنالیا تھا۔اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے سلطنت تقسیم کرلی اور غربی شاخ کا فرمانروا الگ ہوگیا۔ ۳۵۳ میں دونوں حصے پھر ایک بادشاہ کے تحت آ گئے، لیکن یہ وحدت عارضی ثابت ہوئی اور ۳۶۴ میں یہ دونوں شاخیں مستقلاً جدا ہو گئیں۔غربی شاخ رومن امپائر اور شرقی شاخ بائزنٹائن امپائر کے نام سے مشہور ہوئیں۔ مسلم مؤرخ ثانی الذکر شاخ کو **قیاصرہ** کہتے ہیں۔

[12]۔ لیکی،ایڈورڈہارٹ پول،**تاریخ اخلاق یورپ**،؛عبدالماجد دریاآبادی(کراچی: سٹی بک پوائنٹ،2016ء)،104۔

Laky,Adward Hart Poul,**Tareekh E Akhlaq Yourap**,Abdulmajid Dria Abadi(Krachi:City Book Point,2016),104

[13]۔ڈریپر،جان ولیم،ڈاکٹر،**معرکہ مذہب وسائنس**،؛مولانا ظفر علی خان(لاہور: الفیصل ناشران،2004ء)379,380۔

Drapar Jaun William,**Maraca Mazhab o Science**,Molana Zafar Ali Khan(Lahore:Alfasal Nashran,2004),379,380

[14]۔رابرٹ بریفالٹ،**تشکیل انسانیت**،؛عبدالمجید سالک(لاہور: مجلس ترقی ادب،1999ء)،222،219۔

Robert Brefalt,**Tashkeel e Insaiat** ;Abdul Mjeed Salik(Lahore:Mujls e Truqi Adab,1999)219-222

[15]۔برق،**یورپ پر اسلام کے احسان**،80۔

Baraq**, Yurap,Pa,Islam, Kay,Ihsan**,80

[16]۔ لیکی، **تاریخ اخلاق یورپ**،151۔

Laky**, Tareekh E Akhlaq Yourap** 151

[17]۔ڈریپر، **معرکہ مذہب وسائنس**،379۔

Drapar, **Maraca Mazhab o Science**,379

[18]۔ گستاؤلی بان،ڈاکٹر، **تمدن عرب**،؛سید علی بلگرامی،(حیدر آباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، س۔ن)،373،372۔

Gaustali,Ban,**Tamuddn e Arab**,Syyad Ali Blgrami(Hadar Abad:Azam Asteem Press ,n/f)372-373

[19]۔ولیم للی، **تاریخ اخلاقیات**،121،120۔

William,Lilly**, Taruf e Akhlaqiyat** ,120,121

[20]۔سید محمد سلیم، پروفیسر، **مغربی فلسفۂ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ**،(لاہور: کتاب محل،2018ء)،170،169۔

Syyad Muhamad Saleem,**Magrabi Flsfa Taleem Ka Tanqeedi Mutala**(Lahore:Kitab Mahal,2018)169-170

[21]۔ محمد حسن عسکری، **جدیدیت**(لاہور: ادارہ فروغ اسلام، 1997ء)،67،66۔

Muhamad Husan Askri,**Jadeediat**(Lahore:Idara Frog e Islam,1997)66-67

[22]۔سید قطب شہید، **اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل**،؛ساجد الرحمن صدیق(لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت،، س ن)،121۔

Syed Qutab Shaheed,**Islam ur Mazhab Kay Tahzeebi Msiel**,Sajid ur Rahman(Lahore:Maktaba Tamer e Insaniat,n/f),121-

[23]۔سید قطب شہید، **اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل**،121۔

Syed Qutab Shaheed**, Islam ur Mazhab Kay Tahzeebi Msiel**,121-

[24]۔اعظمی، سعید الرحمان ندوی، **اسلام اور مغرب**(دہلی: انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو سٹڈیز، 2011ء)،43۔

Aazmi,Saeed ur Rahman,Nadvi,**Islam ur Magrib** (Dehli,Institute,of Objective Studies,2011)43-

[25]۔ محمد قطب شہید، سید، **انسانی زندگی میں جمود وارتقاء**،؛ساجد الرحمن صدیقی،(لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، س ن)،342،341۔

Muhamad Qutab Shaheed,**Insani Zindgi Man Jamoodo Irtqa**,Sajid ur Rahman Sadiqui,(Lahore:Islamic Publicashans,n/f0341,342-

[26]۔ول ڈیورینٹ: **نشاطِ فلسفہ**،؛ڈاکٹر محمد اجمل،(لاہور: فکشن ہاؤس، 2019ء)،144،143۔

Will Dourent, **Nishat e Falsafa**,Doctor Muhamad Ajmal(Lahore:Function House ,2019)143-144-